ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر محمد رحمان

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

ڈاکٹر نصرت جبین

وائس پرنسپل فوجی فاونڈیشن کالج فار گرلز نیو لالہ زار راولپنڈی

ساجد محمود

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر پروفیسر شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

"کاشف الحقائق": ایک تجزیاتی مطالعہ

Dr. Muhammad Rahman

Assistant Professor, Deptt; of Urdu, Hazara University Mansehra

Dr. Nusrat Jabeen

Vice Principal, Fauji Foundation College for Girls, New Lala Zar Rawalpindi

Sajid Mehmood

Ph.D Research Scholar, Deptt; of Urdu, Hazara University Mansehra

An Analytical Study of "Kashif ul Haqaiq"

The real name of Imdad Imam Asar is Imdad Imam and Asar is a pseudonym. He was born on August 7, 1849 in Salarpur district of Patna. His father's name was Syed Wahiduddin Bahadur. His ancestors migrated from Iran in the 17th century. First, they were natives of Newra. It was possible. So, Imam Athar's education and training was completed in this environment, that he belonged to a scholarly and wealthy family. Kashif ul Haqaiq "Imad is an excellent example of Imam Asar's practical criticism. This book was written around this time When Haali was putting the stigma of "Muqadma Sher o Shaeri", but it was not given the importance it deserves.

Keywords: *Imdam Imam Asar, Kashif ul Haqaiq, Molana Haali, Syed Wahiduddin Bahadur, August 7, 1849.*

"کاشف الحقائق" امداد امام اثرؔ کی عملی تنقید کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ یہ کتاب لگ بھگ اس وقت لکھی گئی جب حالی "مقدمہ شعر و شاعری" کی داغ بیل ڈال رہے تھے لیکن اس کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو اس کا حق ہے۔ "کاشف الحقائق" کا محاکمہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ مصنف کا بھی مختصر سوانحی خاکہ بیان کیا جائے۔

امداد امام اثرؔ کا اصل نام امداد امام اور اثر تخلص ہے۔ موصوف ۷ اگست ۱۸۴۹ء کو موضع سالار پور ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید وحید الدین بہادر تھا۔ ان کے آباو اجداد ستر ہویں صدی میں ایران سے ہجرت کر کے تشریف لائے۔ پہلے وہ موضع نیورا میں متوطن رہے۔ ان کے والد عہدہ ہائے صدرالصدور مجسٹریٹ ضلع و رجسٹرار اسمال کورٹ و جسٹس آف دی پیس پر سرفراز تھے۔ ان کے باپ دادا بھی انہیں عہدوں پر متمکن رہے۔ سو اسی ماحول میں امام اثر کی تعلیم و تربیت مکمل ہوئی، کہ ایک علمی اور متمول گھرانے سے تعلق رہا۔ دو شادیاں کیں۔ پہلی آغاز جوانی میں ہوئی جن سے دو اولادیں ہوئیں۔ دونوں لڑکے تھے۔ دوسری شادی ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ دوسری بیوی کے بطن سے آٹھ بچے پیدا ہوئے، چار لڑکے اور اتنی ہی لڑکیاں۔

امام اثر کو شروع ہی سے مطالعے کا شوق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے انھوں نے خاصا مطالعہ کیا۔ علماء اور شعراء کی صحبتوں میں اٹھنا بیٹھنا ان کا روز کا معمول تھا۔ مزاج میں فقر و قناعت کا مادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ استغنا دہ اور بے نیازی کے شائق تھے۔ تصانیف کا مختصر جائزہ ذیل میں دیا جارہا ہے:

۱۔ "کاشف الحقائق" دو حصے: عملی تنقید کی کتاب ہے جس میں عالمی ادب کے ساتھ ساتھ برصغیر کی دیگر زبانوں کے شعری اور نثری سرمائے کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۔ مراۃ الحکما: یہ کتاب مختلف مفکرین اور فلسفیوں کے افکار و نظریات کا احاطہ کرتی ہے۔

۳۔ فسانہ ہمت: بنیادی طور پر ایک ناول کے اسلوب میں لکھی گئی کتاب ہے لیکن مصنف کے ذہن رسا کی وجہ سے فلکیات و نجوم اور فلسفہ کے مسائل سے بھی بحث کرتی ہے۔ نیز تاریخ اور جغرافیہ کے مباحث بھی شامل ہیں۔

۴۔ کیمیائے زراعت: یہ کتاب بنیادی طور پر زراعت کے حوالے سے لکھی گئی ہے جس میں ہندوستانی کسان کے لیے مفید مشورے موجود ہیں۔

۵۔ فوائد دارین: متنازعہ موضوع پر لکھی گئی ہے۔ یہ ردّ عیسائیت کے حوالے سے ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

۶۔ مصباح الظلمہ: شیعی مسلک کے پس منظر میں مذہب امامہ اور آل محمدؐ سے عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔

۷۔ کتاب الجواب: آلِ محمدؐ کو درپیش مصائب و مشکلات کا احاطہ کرتی ہے۔

"کاشف الحقائق" کا پہلا حصہ ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا۔ اس کا ایک نام "بہارستان سخن" بھی ہے۔ اس کی پہلی جلد میں مصر، یونان، اٹلی و عرب کی شاعری پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح شاعری کی تعریف اور موسیقی سے اس کے تعلق پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ فارسی اور اردو شاعری کے جائزے پر مشتمل ہے۔

شاعری کے بارے میں ان کی وہی رائے ہے جو حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" میں دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "شاعری حسب خیال راقم رضائے الٰہی کی ایسی نقل صحیح ہے جو الفاظ بامعنی کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہے۔ رضائے الٰہی سے مراد فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ سے مراد وہ قوانین قدرت ہیں جنھوں نے حسبِ مرضی الٰہی نفاذ پایا ہے اور جن کے مطابق عالم درونی و بیرونی نشوونما پائے گئے ہیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ اس عالم درونی و بیرونی کی نقل صحیح جو الفاظ بامعنی کے ذریعہ سے عمل میں آتی ہے شاعری ہے۔"(۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہی نظریہ ہے جو افلاطون نے پیش کیا تھا۔ آگے جا کر اثرؔ نے شاعری اور موسیقی کے باہمی تعلق کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔

امام اثرؔ موسیقی کو ایک اخلاقی نوعیت کی چیز سمجھتے ہیں۔ ان کے خیالات موسیقی کے حوالے سے خاصے مکمل ہیں۔ اسی طرح وہ مصوری کے مقام و مرتبے کے بارے میں بھی خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ چونکہ ان کو احساس تھا کہ مصوری بھی ایک قسم کی شاعری ہوتی ہے کیونکہ یہ نقل نقوش اور قلم کاریوں سے ظہور میں آتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاعر اور ماہر موسیقی کو مصوری کے علم سے واقف ہونا چاہیئے۔ اسی طرح علم حساب، جبر، مقابلہ، اقلیدس، مثلث، کمسٹری، علم معدنیات، علم نباتات، ہیئت اور حیوانات وغیرہ سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ شاعری میں خیالات کی بلندی اشد ضروری ہے۔ خیال پست ہو تو شعر قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتا۔ مکروہ مضامیں اچھی شاعری کو فروغ نہیں دے سکتے۔ اقوام عالم پر نظر ڈالی جائے تو وحشی سے وحشی قوم اپنی زبان میں شاعری کا سرمایہ رکھتی ہے۔ البتہ یہ ہے کہ شاعروں سے اچھے اچھے کام لیے جائیں تو وہ آفاقی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ شاعری اخلاقی ترویج کا ایک ذریعہ ہے۔ کچھ اس قسم کے خیالات حالی کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"شعر اگرچہ براہِ راست علم اخلاق کی طرح تلقین و ترتیب نہیں کرتا لیکن ازروئے انصاف اس علم اخلاق کا نائب و مناسب اور قائم مقام کہہ سکتے ہیں"۔(۲)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حالی اور اثر کے خیالات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

"کاشف الحقائق" میں اہلِ مصر کی شاعری کے حوالے سے بھی بحث موجود ہے۔اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مصریوں کا قدیم ادب پست درجے پر تھا۔شاہان مصر کے وقت سے لے کر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے تک مصر کی شعر و شاعری پر یونان کے زیر اثر پروان چڑھی۔اثر نے ان کے مختلف بادشاہوں اور شاعروں کے نام گنوائے ہیں جو شعر و شاعری کے حوالے کے میدان میں خاصے معروف تھے۔اس کے باوجود مصر کے ادبی منظر نامے کا کچھ خاص رنگ نہ بن سکا۔

عالمی ادب کی بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے امام اثر صاحب نے یونان کی شاعری پر خاصی طویل بحث کی ہے۔جس زمانے میں یونان کا شعری سرمایہ قابل قدر حد تک دنیا کے لیے قابل فخر تھا ان میں ہومرؔ کے دو المیوں "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" کا خصوصی تذکرہ ملتا ہے۔اس ضمن میں اثرؔ یونانی شاعری سے خاصے متاثر نظر آرہے ہیں اور جہاں بھی ان سے بن پڑا انھوں نے یونانی شعراء کا خاص دفاع کیا ہے۔ایلیڈ کے اہم کردار Prime میریلس، ملکہ بیکسن، اکلیز، ہیرس وغیرہ کے حوالے سے بھی خاصی بحث ملتی ہے۔اس بارے میں بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"ہومیرس نے اس قصہ کو شاعرانہ پیرایہ میں بہت طول دیا ہے طرفین کے بڑے بڑے بہادروں کے نام درج کیے ہیں۔اس ہنگامہ کی احوال نگاری میں دیوتاؤں کی کمکیں اور اعانتیں بھی بیان ہوتی گئی ہیں طرح طرح کے پر فطری معاملات اور بے سروپا معتقدات کے مذکور آتے گئے ہیں۔اگر سب امور کی تفصیل کی جائے تو ایک عجیب کتاب تیار ہو جائے"۔(۳)

انہوں نے ہومرؔ کی شاعری کا بھی خصوصی ذکر کیا ہے۔وہ انھیں عالمی شعرا جیسے ورجل، فردوسی، ویاس، بالمیکی اور ملٹن سے زیادہ عظیم شاعر مانتے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ایلیسؔ سے کم درجہ دیتے ہیں۔اس سلسلے میں اثر انگریزی شاعری میں لیریکس کا بھی خصوصی تذکرہ کرتے ہیں۔ان کے خیال میں انگریزی لیریکس کا بھی

وہی حال ہے جو اردو غزل کا ہے۔یعنی دونوں اصناف اپنے نقطۂ عروج پر ہیں۔ فارسی اور اردو کے غزل گو شعرا میں انہیں حافظ، درد، میر اور مومن کی غزل اپنے نقطۂ عروج پر نظر آتی ہے۔

امداد امام اثر کے خیال میں سنسکرت زبان میں اپنے وقت میں ڈراما نگاری نے جو عروج حاصل کیا وہ کسی زبان میں اس صنف کو حاصل نہ ہو سکا۔اعلیٰ درجے کی ڈراما نگاری میں "شکنتلا"، "مہا بھارت" اور "رامائن" کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔کامیڈی اور ٹریجڈی کے حوالے سے یہ ڈرامے اپنے نقطۂ عروج پر نظر آتے ہیں۔اس طرح انھوں نے مثنویوں "یوسف زلیخا"، "سحر البیان"، "شیریں فرہاد"، "لیلیٰ مجنوں" اور "راز و نیاز" کا بھی خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ان کا انھوں نے سعدی، سنائی اور مولانا روم کی مثنویوں سے تقابل کیا ہے۔

روم کی شاعری میں لکریشؔ اور کیٹلسؔ کو بھی اثر نے اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے اور اس حوالے سے اپنی خاص رائے دی ہے۔جیسے کیٹلسؔ نے اپنے بھائی کی موت پر ایک خاص مرثیہ لکھا تھا جو اپنے وقت کے یادگار مرثیوں کا سرتاج مانا جاتا ہے۔یورپ کے زمانۂ جاہلیت کا روم سے تقابل کر کے ایک عمومی رائے دی گئی ہے جو خاصی متوازن ہے۔

اثرؔ نے عربوں کے زمانۂ جاہلیت کا بھی ذکر کرتے ہوئے ان کی مختلف حالتوں اور جگہوں کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔اس میں انھوں نے اس ملک کی آب و ہوا، پہاڑوں، چشموں، ندی نالوں، اشجار، جانوروں، درختوں اور پھلوں پر خاصی قابلِ ذکر بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان کی تمام حالتیں اسلام سے پہلے بدتر تھیں۔ان کی شاعری فسق و فجور سے پُر تھی۔ بے باکی کے مضمون باندھنا قابلِ فخر سمجھا جاتا تھا۔لیکن اسلام کی ترویج و ترقی کے بعد ان کی شاعری نے نمایاں کروٹ لی اور اس میں اخلاقی مضامین در آنے لگے۔ یہ شاعری ایسے نقطے پر پہنچ گئی کہ اقوام عالم کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن گئی۔ عربوں کی قدیم حالت یہ تھی کہ اگر کوئی قصیدہ لکھتا تو اسے جا کر خانہ کعبہ میں اس خیال سے آویزاں کر دیتے کہ اگر کوئی شاعر مشق سخن دعویٰ کرے گا تو اسے چاہیے کہ موجودہ قصیدے کا جواب ضرور لکھے وگرنہ شاعری چھوڑ دے۔

"کاشف الحقائق" کے دوسرے حصے میں فارسی اور اردو شاعری پر بحث کی گئی ہے اور اس حوالے سے ان زبانوں کے شعراء کا تقابلی و تجزیاتی تقابل بھی کیا گیا ہے۔اس حوالے سے ان کے خیالات کچھ یوں ہیں:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"چونکہ دونون زبانوں کی شاعری کا ایک ہی انداز ہے اس لیے ان دونوں کا ذکر اجمالی طور پر کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اردو کی موجودہ شاعری فارسی کی شاعری کے ساتھ بڑی مشابہت رکھتی ہے۔ دونوں زبانوں کی شاعریاں اصناف کے اعتبار سے برابر ہیں اور خیالات کا رنگ تمام تر ایک ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اردو کے شعرا فارسی کے شعرا کے ہمیشہ متتبع رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری باوجود اس کے کہ اس کو فروغ ہندوستان میں ہوا۔ یہ سنسکرت شاعری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی"۔ (۴)

اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے امام اثر کہتے ہیں کہ فارسی کی پیروی میں اردو نے سنسکرت کی اہم اور زندہ اصناف سے بھی منہ موڑے رکھا۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ سنسکرت کا ڈراما اس میں پوری طرح نہ آسکا۔

اہلِ ایران کی شاعری کے حوالے سے وہ یوں لکھتے ہیں:

"اہلِ ایران کو شاعری کی طرف عظیم میلان رہا ہے۔ ان کی مضمون نگاریاں بھی ایسی ہیں کہ علماء اہلِ یورپ لکھتے ہیں کہ ابھی تک ہم لوگوں کو مشرقی شاعری کی نازک خیالیوں سے کماحقہ آشنائی پیدا نہیں ہوئی ہے اور خیالات کے ایسے ایسے میدان پڑے رہ گئے ہیں کہ جہاں ہم لوگوں کا ابھی تک گزر نہیں ہوا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اصناف شاعری میں سے بعض ایسی ہی ہیں کہ ان کی ہوا بھی اہلِ یورپ کو نہیں لگی ہے۔ مگر فارسی شاعری کے نقصانات بھی اس درجہ کے ہیں کہ ان کی اصلاح کی بڑی حاجت ہے"۔ (۵)

اس کے بعد امداد امام اثر فارسی اور اردو کی غزل کا محاکمہ کرتے ہیں کہ غزل کی زبان سلیس ہو۔ صنائع وبدائع سے پاک ہو۔ تشبیہ و استعاروں کی بہتات نہ ہو۔ مبالغہ آرائی زیادہ نہ ہو۔ اسی طرح پھبتی، ضلع جگت اور رعایتِ لفظی سے اجتناب کیا جائے۔ غزل کے مضامین میں داخلیت ہو۔ وصال و فراق کے مضامین فطرت کی حدود سے باہر نہ جائیں۔ اسی طرح غزل میں ہوا، ہوس، حسرت، ملال، رشک، جنون، وحشت اور غرور وغیرہ کی بندشیں ایسی نہ ہوں جو مذاق صحیح سے خارج ہوں۔ واردات قلبیہ کی بندش شاعر کے قلبی تقاضوں کے مطابق ہو۔ ابتداء میں غزل کے مضامین متعین ہوتے تھے لیکن اب اس کا دامن خاصا وسیع ہو چکا ہے۔ اس کے فورم سے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

تمدنی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی قسم کے جیسے مضامین ادا کیے جا رہے ہیں اور اس حوالے سے کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیئے۔ شاعر کو عشق مجازی کے بیان میں فسق و فجور سے دور رہنا چاہیئے۔

مشہور ایرانی شعر احافظؔ اور سعدیؔ کے بارے میں امداد امام اثر نے روشنی ڈالی ہے کہ غزل گوئی میں کوئی ان کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ یہ ہے کہ سعدیؔ فلسفہ اخلاق کے بہت بڑے معلم تھے لیکن بعض جگہوں پر اس مقام کو قائم نہیں رکھ پاتے اور یہاں پر ان کا مقام خواجہ حافظؔ سے دیوان سے کم درجہ کا بن جاتا ہے۔ مزید یہ کہ سعدی کے کلام میں دل فریبی، تاثیر، سوز و گداز، شوخی، نمکینی اور شیرینی جیسی خصوصیات نے ان کے کلام میں تازگی بھر دی ہے جو اس وقت کے شعرا کے ہاں عنقا ہے۔

امداد امام اثر نے فارسی کے دیگر شعرا مثلاً جامیؔ، فغانیؔ، شیرازیؔ، کلیمؔ، بیدلؔ، علی حزیں اور صائبؔ کا بھی ذکر کیا ہے۔ البتہ کئی جگہوں پر انھوں نے حافظؔ کے کلام کے ساتھ غالبؔ کے فارسی کلام کا بھی موازنہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حافظ جیسی بات غالب کے اردو کلام میں نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اب موازنہ ہی فضول ہے۔ ناظرین موازنہ کی زحمت سے عاجز کو معاف فرمائیں۔ اے حضرات نکتہ دان حافظ کی شہرت بے وجہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شاعر دماغ حکیمانہ رکھتا ہو تو کبھی حافظ کی راہ میں قدم رکھے۔ مجرد زبان دانی یا معلومات سے حافظ کی شاعری نقیب نہیں ہو سکتی"۔ (۶)

اثرؔ کے مطابق ولیؔ ایک قوی الدماغ شاعر تھے اور یہ کہ ان کی شاعری میں زندگی کی خوب صورتی کے دلکش رنگ نمایاں ہیں۔ مرزا سودا، میر تقی میر اور میر درد کا جائزہ لیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ مرزا سودا کے ہاں داخلیت کا رنگ اتنا نمایاں نہیں جس کی وجہ سے ان کی شاعری میر کے درجے تک پہنچ سکے۔ البتہ میر درد کی شاعری میں میر تقی میر سے ایک لحاظ سے بہتر ہی ہے۔ میر تقی میر کو وہ سلطان المتغزلین کا خطاب دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میر کے چھ دیوانوں میں صرف ان کی غزلیات کا کچھ انتخاب ہی دیکھنے کے قابل ہے وگرنہ ان کا بقیہ کلام ترک کر دینے کے قابل ہے۔ میر کے ہاں دل گرفتگی، مخزونی اور نشتریت خواجہ میر درد کے مقابلے میں زیادہ ہی ہے۔ اسی وجہ سے انھیں سلطان المتغزلین کا خطاب دینا مناسب ہے۔ آتشؔ و مومنؔ کا موازنہ بھی زیرِ بحث ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ مومن کے کلام میں کوچہ گردی اور معاملہ بندی ہونے کے باوجود ایک مہذب انداز ملتا ہے۔ آتشؔ کے ہاں

وارداتِ قلبیہ اور امورِ ذہنیہ کا انداز پایا جاتا ہے۔ذوقؔ کے کلام کی خارجیت غزل سرائی کے تقاضوں سے لگا نہیں کھاتی۔اسی وجہ سے ذوق کی غزل میں وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو ہونی چاہیے تھی۔اثرؔ کے خیال میں غالب کی اردو شاعری میں مشکل پسندی کا رنگ نمایاں ہے۔اس کے باوجود ان کے ہاں جو سوز و گداز، خستگی درد، نشتریت، بلند پروازی، نازک خیالی، تمکنت، متانت، جلالت، تہذیب اور شوخی پائی جاتی ہے جو میر اور درد کے علاوہ کسی اور کے ہاں نہیں پائی جاتی۔مزید یہ کہ ان کا کلام سراپا انتخاب ہے۔ان کے خیال میں چند اشعار ہی شاعر کو بلندیوں کی طرف لے کر جاتے ہیں۔البتہ یہ کہ سلاست ہو تو یہ سونے پہ سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ناسخؔ کے ذکر میں ان کی اصلاح زبان کا خصوصی ذکر کرتے ہیں۔اگرچہ ان کی غزل میں وہ رنگ تو نہ آسکا لیکن اس کے باوجود ان کی اصلاح زبان کے حوالے بہت اہم خدمات ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں:

> "شیخ امام بخش ناسخ زبان اردو کے مصلح گزرے ہیں۔شیخ نے اردو کو تراش خراش کر ایسا درست کر دیا کہ اب اس کی لطافت اور صفائی فارسی سے کچھ کم نہیں معلوم ہوتی۔ذوق نے صرف مضمون آوری کی طرف توجہ مبذول رکھی اور اصلاح زبان پر مطلق قائل نہ تھے۔مومن کو بھی اس جانب کچھ میلان نہ ہوا اور غالب نے تو فارسی کی اس قدر آمیزش کر دی کہ اردو پر فارسی کا شبہ ہونے لگا۔اس کے برخلاف شیخ نے گو الفاظ فارسی سے اجتناب نہ کیا، مگر ترکیب ایسی ملحوظ رکھی کہ اردو اردو رہ گئی"۔(۷)

اس کے بعد شاعری کی صنف "سہرا" کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کہ اس کے عروض کی ترتیب تمام تر غزل کی طرح ہوتی ہے۔البتہ ان دونوں میں موضوعات کا اختلاف پایا جاتا ہے۔غالبؔ اور ذوقؔ کے مشہور سہروں کو نقل کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ذوقؔ نے غالبؔ کے مقابلے میں کہیں بہتر سہرا لکھا ہے۔البتہ غالب کے ہاں قطعہ کا رنگ بھی ملتا ہے۔جس میں داخلیت کے محرکات نمایاں ہیں۔سہرا کے بعد "سلام" کی باری آتی ہے اور ساتھ ساتھ اس کے موضوعات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔میر ضمیر، میاں دلگیر، میر انیس اور میر مونس کے سلام نقل کیے گئے ہیں البتہ یہ کہ اہلِ ایران کے ہاں سلام کی روایت زیادہ جاندار نہیں۔"قصیدہ" کی بحث میں اس کی عروضی ترکیب، غزل سے اس کے فرق اور اس کے مضامین داخلی و خارجی کی تفصیلی بحث بھی اسی کتاب کا حصہ ہے۔فارسی قصیدہ گو شعرا میں اثرؔ رودکیؔ، فردوسیؔ، انوریؔ، خاقانیؔ، سعدیؔ، عرفیؔ اور قاآنیؔ کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ان شعرا کے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کلام کے نمونے دے کر ان کی خصوصیات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ رودکیؔ کو وہ قصیدے کا پہلا شاعر تسلیم کرتے ہیں جو آج بھی معتبر مانا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود الٰہی ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "رودکی سے پہلے اور خود اس کے زمانے میں بہت سے قادر الکلام شاعر رہے ہوں گے لیکن ان کی تخلیقات پردۂ اخفا میں ہیں۔ بہر حال رودکی کے بارے میں تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ اس نے سب سے پہلے فارسی میں دیوان مرتب کیا۔ محمود شیرانی رودکی کو فارسی قصیدہ نگاری کا موجد قرار دیتے ہیں"۔ (۸)

قصیدہ نگاری کی ضمن میں کہتے ہیں کہ مذہبی اغراض کے قصائد کی تعداد درباری اغراض کے قصائد سے کم ہی ہے۔ مشہور قصیدہ گو شعراء میں سودا، ذوق، مومن اور غالب کے قصیدوں کا تفصیلی جائزہ بھی لیا ہے۔ سودا کی قصیدہ نگاری میں ذہانت، زکاوت، طبیعت داری، سخن آفرینی اور ہمہ دانی کی خصوصیات ہر دوسرے شاعر سے زیادہ ہیں۔ یہ تمام خصوصیات ان کو سعدیؔ اور شیکسپیئر سے قریب کر دیتی ہیں۔

قطعہ نگاری کی بحث میں فارسی کے قصیدہ گو شعرا ابن یمین، سعدیؔ، فردوسیؔ، نظامیؔ، سنائیؔ، ذوقؔ اور غالبؔ کے قطعات درج کرتے ہوئے وہ ان شعراء کے معروف قطعوں کا بھی تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ اسی طرح صنف رباعی کی عروضی صورت حال کا بھی سرسری جائزہ لیتے ہوئے درد، مومن، میر انیس اور دبیر کی رباعیات نقل کر کے ان کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مثنوی کے ذکر میں اس صنف شاعری کے لیے ضروری باتوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس میں شامل رزمی، بزمی، حکمت آموز، تصوف آموز اور متفرق مضامین کی مثنویوں کے نام گنوائے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے فارسی میں شاہنامہ اسلام، انگریزی کی پیراڈائز لاسٹ، یونانی کی ایلیڈ اور اوڈیسی، لاطینی کی انیڈ اور سنسکرت کی رامائن اور مہابھارت کے نام لیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ اردو میں اس سطح کی کوئی مثنوی نہیں ہے۔ ہومرؔ کی ایلیڈ سے فردوسی کے شاہنامے کا کرداری حد تک جائزہ لیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ فردوسیؔ فنی و کرداری لحاظ سے اس سے کمزور تخلیق کار ہیں۔ بزمی مثنویوں میں وہ امیر خسرو، خواجہ کرمانی، جامیؔ، ہاتفیؔ، مکبیؔ، بلالیؔ، طرقیؔ اور فیضیؔ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی مثنویوں سے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ تصوف آمیز مثنویوں میں مولانا روم کی مثنوی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے میر حسن کی سحر البیان اور گلزار نسیم کے چند حصوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی خصوصیات کا بھرپور احاطہ کیا ہے۔ اسی باب میں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

انھوں نے مختصر طور پر مخمس، مسدس اور واسوخت کی ہیئت اور عروضی حد بندیوں پر بحث کی ہے۔ مرثیہ کی بحث میں انھوں نے میر انیس کی مثنویوں کا خصوصی تذکرہ کیا ہے اور اس بحث میں ان کے خیالات کا لب لباب یہ ہے کہ ملٹن نے انگریزی، فردوسی نے فارسی، بالمیکی نے سنسکرت جبکہ انیس نے اردو میں وہ المیہ مرثیے لکھے جو صرف ان کا ہی کمال ہے۔ کچھ اس طرح کے خیالات کا اظہار کچھ دیگر نقادوں نے بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں مسیح الزمان اور احتشام حسین لکھتے ہیں:

> "یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ چاہے ہومر ہو یا فردوسی، بالمیک ہو یا کالیدانسی، ان میں سے کوئی بھی ایپک Epic کے شرائط سے واقف نہ تھا۔ غالباً انھوں نے کوئی Epic پڑھی بھی نہیں تھی۔ شاہنامہ سے کمار سمبھو بالکل مختلف ہے۔ لیکن پھر بھی ان دونوں کو Epic قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں ایپک کی وہ بنیادی خصوصیتیں ملتی ہیں جن کا پروفیسر ڈکشن نے بیان کیا ہے۔۔۔ یہی بات دور عروج کے مرثیوں پر بھی صادق آتی ہے"۔ (۹)

اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ آیا انیس کے مرثیے Epic کے ذمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟ بہر حال یہ بات تو طے ہے کہ میر انیس کے مرثیوں میں خارجہ مضامین کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ ان کے مرثیوں میں فطرت نگاری کی اعلیٰ مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ڈرامائی کیفیات کا ذکر بھی ان میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے انھوں نے دبیر کے مرثیوں کا بھی سرسری ذکر کر دیا ہے اور ان کے مرثیوں کا تقابلی مطالعہ بھی شامل کیا جو خاصا وقیع ہے۔

غرض یہ کہ امداد امام اثر نے عملی تنقید کی اہم مثالیں قائم کر کے اقوامِ عالم اور برصغیر کی زبانوں کے اہم شعراء کا جائزہ لے کر اپنی تنقید کو وقیع بنانے میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ البتہ بعض جگہوں پر وہ یہ حق ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ مثلاً ایلیڈ اور اوڈیسی کا جائزہ تو لیتے ہیں لیکن تقابلی تنقید کے بعض پہلوؤں کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔ وجہ یہ ہے کہ تجزیے اور تحلیل میں تاثرات و تعصبات کم سے کم دخل ہونا چاہیئے جبکہ وہ ان فن پاروں کے بارے میں ایک مخصوص اخلاقی نقطۂ نظر رکھتے تھے اور یہ نقطۂ نظر ان فن پاروں کی عظمت کی راہ میں پوری طرح حائل رہا۔ مزید یہ کہ وہ ان فن پاروں کے بارے میں بات کرنے سے پہلے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

یونان کے جغرافیائی، تاریخی، تمدنی، معاشرتی اور تہذیبی حالات کا جائزہ لے چکے تھے لیکن اس جائزے کو ان فن پاروں کے ساتھ جوڑ نہ سکے اور ضروری مباحث کی پوری طرح وضاحت نہ کر سکے۔ اس طرح انھوں نے ایلیڈ کے مشہور کرداروں پریام، میشلس، ہیلن، ہیکٹر، کلیز، اندرومیکی کا بھی پوری طرح جائزہ نہیں لیا۔ امداد امام اثر کی تنقید کی ایک اور خامی یہ بھی ہے کہ انھوں نے اوڈیسی پر بھی خصوصی توجہ نہیں دی۔ یونان کی ایک شاعرہ کے بارے میں ان کے بیانات پر شکوک کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ سفوSipphu نامی شاعرہ کے بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

> "سفو یونان کی غزل گو شاعرہ ہے۔ یہ عورت چھ سو برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے بقیدِ حیات تھی۔ اس کی غزل سرائی ایسی پُر تاثیر تھی کہ اہلِ یونان اس کے کلام کے مفتون وشیدا تھے۔ معاملات عشقیہ کے بیان پر نادر قدرت رکھتی تھی۔ خود کسی نوجوان پر عاشق تھی۔ اس لیے اس کا کلام تمام تر عاشقانہ رنگ رکھتا تھا"(۱۰)

حالانکہ یہ شاعرہ صرف ایک غزل ہی لکھ سکی تھی۔ اس کا بقیہ کلام Elebal نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ البتہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کے ہاں عموماً عشق و عاشقی کے ہی مضامین ملتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کی ساری شاعری غزل ہی ہو۔ بعد میں امام اثر نے یونانی ڈراما پر بھی بحث کی ہے جس میں ایک اہم نام اسکائیلس کا ہے۔ اسکائیلس ۵۲۵ ق م میں پیدا ہوا اور ۴۵۶ ق م میں وفات پائی۔ امداد امام اثر کے مطابق اس کے ڈراموں کی تعداد ۷۰ ہے حالانکہ جدید تحقیق کے مطابق یہ تعداد ۹۰ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اثر نے کئی جگہوں پر اندازے کی غلطیاں کی ہیں۔ اسکائیلس کے بعد اثر ایک اور ڈراما نگار سوفوکلیز کا بھی ذکر کرتا ہے لیکن نہایت ہی اختصار کے ساتھ جس سے اس کے بارے میں خاطر خواہ نتیجہ اخذ نہیں کر پاتے۔ حالانکہ وہ بھی یونان کا ایک اہم حزینہ ڈراما نگار تھا۔ ان کی یہ اختصار پسندی موفوکلیز کے ہم عصر مشہور ڈراما نگار یوری پائیڈیز کے بیان میں بھی نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "یوری پائیڈیز سوفوکلیز کا ہم عصر تھا۔ اسی شاعر کے کلام میں درد پایا جاتا ہے۔ مگر اس کی شہرت میں ارسطوفنیز کی ہجو نگاری سے خلل واقع ہو گیا۔ ورنہ خود یہ شاعر ممتاز پایہ رکھتا تھا"۔(۱۱)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

اثر یوری پائیڈیز کے نہ تو ڈراموں کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی یہ ذکر کہ حزینہ تھے یا طربیہ۔ ان ڈرامانگاروں کے بعد انھوں نے ایک طربیہ ڈرامانگار ارسطوفینز کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ ایک ہجو نگار شاعر بھی تھا۔ اس کے بارے میں اثر کے الفاظ یہ ہیں:

> "ارسطوفنیز ایک بڑا شوخ مزاج شاعر ہے۔ اس کی طبیعت ہجو میں خوب لڑتی تھی۔ اس نے بہت سی ہجویں لکھی ہیں۔ سقراط کی ہجو اس نے لکھی ہے۔ اس حکیم نامی کی ہلاکت کا سبب یہی شاعر ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ارسطوفنیز کو ہجو کی طرف میلان طبعی تھا۔ چنانچہ اہلِ ایتھنس کی جو اس کے ہم وطن تھے چالیس برس تک ہجویں لکھتا رہا۔ اس شاعر کو اخلاقی مضامین کی عجیب و غریب قوت حاصل تھی اور اس کے کلام میں ہوتے تھے"۔ (۱۲)

اس بحث کے بعد اثر نے لاطینی اور رومی شعراء لکریشس، کیٹلس، ورجل، ہوریس، لوکن اور جونیل کی شاعری پر بھی خاطر خواہ تبصرے کیے ہیں جو خاصے تشنہ ہیں۔ لکریشس کی کتاب (On the Nature of Thing) کے ذکر میں بھی انھوں نے خاصے اختصار سے کام لیا ہے۔ کیٹلس کے بیان میں انوں نے اس کی تاریخِ پیدائش کو نظر انداز کیا ہے۔ البتہ روم کے شعراء ورجل اور ہوریس کے بیان میں تفصیل پائی جاتی ہے اور دونوں شعراء کے درمیان تقابل کر کے خاصی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ہوریس کے بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

> "ورجل کے بعد روم کے نامی شاعر ہارس ہے۔ یہ شاعر ورجل کی طرح رزمی نہیں ہے۔ اس کے اشعار غزل اور قصیدہ دونوں کے رنگ رکھتے ہیں۔ مؤلف کے خیال میں اس شاعر کا کلام سفو شاعرہ اور پنڈار کے رنگوں سے مخروج معلوم ہوتا ہے۔ ہارس نے بیشتر اوڈ لکھے ہیں جو قصائد کی تشبیب سے مشابہت رکھتے ہیں"۔ (۱۳)

اس کے بعد متاخرین میں سے ایک شاعر لوکن کا نہایت ہی مختصر تعارف کیا ہے اور ان کے ساتھ کچھ ایسی باتیں بھی منسوب کیں جن کا لوکن کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں بنتا۔

حصہ دوم میں امام اثر نے اردو شعرا اور نثر نگاروں کے بارے میں جو معلومات دی ہیں ان میں سے چند ایک خاصی بنیادی ہیں۔ شعراء میں ولیؔ، سوداؔ، دردؔ، میرؔ، مومنؔ، ذوقؔ، غالبؔ، ناسخؔ، آتشؔ اور رندؔ کے بارے میں

خاصی متوازن آراء قائم کی ہیں۔ ان شعراء کے بارے میں ایسی باتیں کی ہیں جو اس وقت تک کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھیں، انھیں باتوں کو بنیاد بناتے ہوئے کئی ناقدین نے اپنی تنقید کی بنیادیں کھڑی کیں۔ جس میں کلیم الدین احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی کے نام اہم ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان صاحبان نے اثرؔ کا ذکر تک نہیں کیا۔

امداد اماثر کی تنقیدی مساعی کے یہ نمونے ان کی علمی ذکاوت کی وجہ سے ادب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ اگر ہم اردو تنقید کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تنقید کے ابتدائی نمونوں یعنی تذکروں میں تذکرہ نگاروں نے محض اپنے تاثر و تعصب کا مظاہرہ کر کے اپنے مخالفین کے خوب لتے لیے ہیں ۔مثلاً میر تقی میر جیسے خدائے سخن کا تذکرہ "نکات الشعرا" میں اگرچہ کہیں کہیں تجزیے کی آنچ تو محسوس ہوتی ہے لیکن یہی تذکرہ ان کے ہم عصروں کے بارے میں ان کے تعصب کا عملی نمونہ بھی تو ہے۔ "آبِ حیات" میں اگرچہ آزاد نے شعرا کے محاسن بھی قلم بند کیے ہیں لیکن تعصب اور جانبداری سے وہ بھی دامن نہ چھڑا سکے۔ حالیؔ کے مقدمہ میں شعر کے معنی و مفہوم کے ساتھ ساتھ شاعری کی خصوصیات کے جو عملی نمونے ملتے ہیں انھیں سے ملتی جلتی آراء "کاشف الحقائق" میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس بارے میں پروفیسر وہاب اشرفی کی یہ رائے خاصی متوازن معلوم ہوتی ہے:

> "جس زمانے میں "کاشف الحقائق" لکھی گئی اسے ذہن میں رکھا جائے تو پھر امداد امام اثر کو داد دینی پڑے گی کہ موصوف عالمی ادبیات پر بھی ایک نگاہ رکھتے تھے۔ معلوم نہیں کیوں کلیم الدین احمد صاحب نے "اردو میں تنقید پر نظر" میں انھیں سرے سے نظر انداز کر دیا"۔ (۱۴)

اس بیان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ "کاشف الحقائق" اردو تنقید کے حوالے سے حشتِ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ اسی وقت لکھی گئی جب "مقدمہ شعر و شاعری" لکھی جا رہی تھی۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امداد امام اثر شعر و ادب کی تفہیم و تعبیر کے عملی اصولوں سے پوری طرح واقف تھے۔ جہاں انھوں نے اشعر اکی افہام و تفہیم کی کوشش کی ہے وہاں ایسے مباحث بھی چھیڑے ہیں جن سے ان کی ذکاوت علمی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کسی فن پارے میں رائے

دیتے ہوئے ایسے علوم بھی در آتے ہیں جن کا تعلق براہِ راست شعر و ادب سے تو نہیں ہوتا تاہم وہ ماحول اور تہذیب و تمدن کی وجہ سے اس فن کی تعبیر کے سلسلے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امداد امام اثر نے بھی زیرِ نظر کتاب میں ایسے مباحث چھیڑے ہیں جو انھیں بین العلومی تنقید کا پیش رو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ آج اردو تنقید میں مختلف علوم بروئے کار لاتے جا رہے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہو گا کہ یہ کام بہت پہلے امداد امام اثر نمونے کے طور پر "کاشف الحقائق" میں کر چکے تھے اور یہی ان کی عظمت کا بین ثبوت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ امداد امام اثر، "کاشف الحقائق" جلد اول، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۳

۲۔ مولانا الطاف حسین حالی "مقدمہ شعر و شاعری" علم و عرفان پبلشرز لاہور ۲۰۰۳ء

۳۔ امداد امام اثر، "کاشف الحقائق" جلد اول، ص ۴۹

۴۔ امداد امام اثر، "کاشف الحقائق" جلد دوم، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱

۵۔ ایضاً، ص ۸

۶۔ ایضاً، ص ۶۹

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۸۔ ڈاکٹر محمود الٰہی "اردو کی قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ" اردو اکیڈمی کراچی، س ن، ص ۱۰۴

۹۔ مسیح الزمان، "اردو مرثیہ کا ارتقاء" انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۴۷۲

۱۰۔ امداد امام اثر، "کاشف الحقائق" حصہ اول، ص ۱۱۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۱۴۔ پروفیسر وہاب اشرفی "کاشف الحقائق: ایک مطالعہ" پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۷۷